



محدث فتویٰ
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دوسرے مکالمہ میں بھٹوں اور فریب کی وضاحت

الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ، والصلاة والسلام علی رسول اللہ، أما بعد

بھٹوں میں دوسرے مکالمہ کا ایک فریق نکلے دعوے کے مطابق ایک سنی عالم ہے، جس کا نام ”شیخ الحق حسینی“ ہے۔ جو کسی کالج میں شعبہ علوم شرقیہ کا سربراہ ہے۔ دوسرا فریق دروز کے مذہب سے تعلق رکھنے والا ایک پروفیسر ہے جس کا نام ”الوحسن زیدان“ ہے۔ اس مکالمہ میں اس شخص نے کچھ سوال کئے ہیں جسے سنی ظاہر کیا گیا ہے اور دروزی ان کے جواب میں دیتا ہے۔ ان سوالات اور جوابات کا اسلوب بڑا گلیٹیا، زبان عربی قواعد کے لحاظ سے کمزور اور مطالب پھس پھسے، مجمل اور غیر تعلق نہیں اور مناظرہ میں ان کی کوئی اہمیت نہیں، نہ اس کے نتائج قابل توجہ ہیں۔ ان کی پوری بات حجت یہاں درج کی جاتی ہے۔

سوال ۱: فرضی سنی نے کہا: ”تمہارا دین کیا ہے؟“

”دروزی نے جواب دیا: ”ہمارا دین اسلام ہے۔“

ہم گذشتہ سوالات میں واضح کرچکے ہیں کہ دروزی فرقہ والے مسلمان نہیں۔ بلکہ وہ یہود و نصاریٰ سے بھی بڑھ کر کافر ہیں۔ آئندہ سوالوں میں دروزی نے جو جوابات دیے ہیں اور جس طرح اپنے عقائد کی وضاحت کی ہے اور ارکان اسلام وغیرہ کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس سے بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے کہ وہ مسلمان نہیں۔

سوال ۲: تمہارا مذہب کیا ہے؟

”جواب: ”ہمارا مذہب اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار ہے اور یہ اسلام میں تقیہ والے مذہب میں سے ایک ہے۔“

اس سوال کے جواب میں دروزی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ان کا مذہب تقیہ ہے۔ اس اقرار میں اس نے سچ کہا ہے۔ واضح رہے کہ عقیدہ، قول اور عمل میں منافقت دھوکے اور فریب کا نام ہے اور اس سوال کے جواب میں دروزی نے اس پر عمل بھی کیا ہے۔ اس نے کہا کہ دروز کا مذہب اللہ کی توحید اور رسول اللہ کی رسالت کا اقرار ہے لیکن ان کا معبود جس کی توحید کے وہ قائل ہیں اور جس کی عبادت کرتے ہیں وہ مصر کا حکمران ”حاکم عبیدی“ ہے اور جس رسول کو ملتے ہیں وہ حاکم کا بھیجا ہوا مبلغ ”حمزہ بن علی بن احمد فارقی حاکم دروزی“ ہے جس کو اس نے اس لیے بھیجا تھا کہ لوگوں کو اس کی عبادت کی طرف بلائے کیونکہ اسی کو فاطمی حاکم نے ”رسول“ کا لقب دیا تھا۔ جواب کا یہ انداز تقیہ کی واضح ترین تفسیر اور سچی عملی مثال ہے۔

سوال: ”نہ سنی نہ شیعہ بلکہ ان فرقوں میں سے ایک ہیں جن کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے:

(سَنَقُصُّمُ أُمَّتِي مِنْ بَغْدِي إِلَى ثَلَاثَةِ وَسْتِينَ فِرْقَةً)

”میری امت میرے بعد تتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔“

اس سوال کے جواب میں دروزی نے لہمال سے کام لیا ہے۔ اس نے اپنے فرقہ کے سنی یا شیعہ ہونے سے انکار کیا ہے لیکن اس کی حقیقت سے پردہ نہیں اٹھایا، بلکہ مبہم جواب دیا ہے کہ وہ ان فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے جن کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے:

(سَنَقُصُّمُ أُمَّتِي مِنْ بَغْدِي إِلَى ثَلَاثَةِ وَسْتِينَ فِرْقَةً)

اس جواب میں اس نے عربی زبان میں لغوی غلطی بھی کی ہے، حدیث میں تحریر بھی کی ہے اور سائل کو دھوکا بھی دیا ہے اسے کوئی واضح اور دو ٹوک جواب نہیں دیا اور یہ بھٹوں بھی بلا ہے کہ وہ شیعہ نہیں۔ کیونکہ وہ فرقہ باطنیہ کی قرامطہ شاخ سے تعلق رکھتے ہیں، جو غلو کرنے والے شیعہ کا بدترین فرقہ ہے۔

(سوال ۵: نماز کیسے ہوتی ہے؟) (یعنی اس کا طریقہ کیا ہے؟)

”جواب: ”جب ہم میت پر نماز (جنازہ) پڑھتے ہیں تو ہم قبلہ کی طرف منہ کرتے ہیں، لیکن عمومی نماز ذکر کا حلقہ ہے۔“

چوتھا اور پانچواں سوال غیر واضح ہے اور ناقص بھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ سوالات کو عداً اس انداز میں پیش کیا گیا ہے تاکہ درزی پہلے مجمل جواب دے سکے اور ثانیاً اصل جواب سے فرار اختیار کر کے نماز کے مفہوم میں تحریف کر سکے۔
 ”اور اس نے ایسا ہی کیا ہے۔ اس نے کہا: ”ہم نماز پڑھتے ہیں کیونکہ نماز واجب ہے اور اس لئے کہ وہ بندے اور خالق کے درمیان تعلق کو مضبوط کرتی ہے۔“

اس کے علاوہ وہ اس چیز کے بیان میں بھی موضوع سے ہٹ گیا ہے، کہ نماز سے کیا مراد ہے؟ (اور عام نماز کے، بجائے نماز جنازہ کی بات شروع کر دی ہے)۔ اس نے کہا: ”جب میت پر نماز پڑھتے ہیں تو کبھی کی طرف منہ کرتے ہیں۔“

نمازیں اس انداز سے پڑھنے کا منکر ہے جس طرح ہمیں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے۔ اسی طرح پہلے سوال کے جواب میں اس نے جو کہا تھا کہ ہمارا دین اسلام ہے ”اس کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہو گیا۔

”سوال ۶: ”کیا تم نماز کے وقت رکوع کرتے ہو؟“

”جواب: ”ہمارے ہاں رکوع نفل ہے۔“

”سوال ۷: ”کیا تم نماز کے وقت سجدہ کرتے ہو؟“

جواب: ”ہاں، ہم سجدے کرے وقت سجدہ کرتے ہیں کیونکہ یہ فرض ہے اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔“ پچھتا اور ساتواں سوال بھی ناقص اور غیر واضح ہیں۔ اس کے باوجود درزی نے رکوع کی فرضیت کا انکار کیا ہے اور کہا ہے وہ نفل ہے۔ سجدے کے فرض ہونے کا اقرار کیا ہے لیکن اس کی کیفیت کو واضح نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سائل اور جواب دینے والے میں پہلے سے گٹھ جوڑ ہے۔ یا سوال کے جواب میں کہی ہے کہ ”ہمارا دین اسلام ہے“ کیونکہ ہدایت معلوم ہے۔ لہذا یہ شخص نص اور دھماج کی روشنی میں جھوٹ ثابت ہوتا ہے۔

”سوال ۸: ”کیا آپ لوگ روزوں کے معنی میں روزے رکھتے ہیں؟“

جواب: ”ہاں“ بعض لوگ ”خصوصاً“ معمر افراد روزے رکھتے ہیں، لیکن ہمارے عرف میں ظاہر روزہ نفل ہے اور حقیقی روزہ یعنی خود کو حرام کاموں سے بچانا لازمی فریضہ ہے، جو زندگی بھر کے لیے خاص اوقات میں نہیں۔ کیونکہ ”ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی حکم عدولی کرتے ہوئے ظاہری روزہ کا کوئی فائدہ نہیں۔“

اس آٹھویں سوال کے جواب میں درزی نے رمضان کے فرض روزوں کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ ”ظاہری روزہ نفل ہے“ اور حقیری روزے کا مطلب نفس کو حرام سے بچانا بتایا ہے اور یہ اسلام کی بدیہی تعلیم کا انکار ہے اور قرآن کے ذمہ سے ساقط کر دیا ہے۔ یہ انکار نص اور دھماج کی روشنی میں صریح کفر اور ابد اثبات ہوتا ہے۔ اور اس سے اس کے اس دعویٰ کی تردید ہوجاتی ہے کہ ان لوگوں کا دین اسلام ہے۔

”سوال ۹: ”کیا آپ لوگ حج کرتے ہیں؟“

جواب: ”ہمارے ہاں حج بھی نفل ہے کیونکہ آیت کریمہ فرماتی ہے:

(وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اَلَيْهٖ سَبِيْلًا (آل عمران ۹۷)

”اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پاسکتے ہیں بیت اللہ کا حج فرض کر دیا ہے یہاں مَنِ اسْتَطَاعَ کے لفظ سے ان لوگوں کے لئے کھلی گنجائش ثابت ہوتی ہے جو فریضہ حج ادا نہیں کر سکتے۔“

نویں سوال کے جواب میں بھی اس نے وہی طریقہ اختیار کیا ہے جس طرح رمضان کی فرضیت کا انکار کیا تھا۔ اسی طرح حج کے فریضہ کا بھی انکار کیا ہے۔ اس نے کہا ہے ”ہمارے ہاں حج نفل ہے“ اس طرح اس کی فرضیت کا انکار کیا ہے اور یہ کفر ہے کیونکہ یہ دین کی بدیہی چیز کا انکار ہے۔ پھر اس نے آیت لا کر دھوکا دیا ہے جو طاقت رکھنے والے پر حج کی فرضیت کو صراحت کے ساتھ ثابت کرتی ہے۔ گنجائش تو اس کے لئے ہے جو خود حج کر سکتا ہو نہ کسی کو نائب بنا کر فریضہ حج سے سبکدوش ہو سکتا ہو۔ اس سے پہلے سوال میں کہی گئی اس بات کی بھی تردید ہوتی ہے کہ دروز کا دین اسلام ہے۔

”سوال ۱۰: ”کیا تم میں سے کسی نے مکہ کا حج کیا ہے؟“

”جواب: ”ہاں ہم میں سے بہت سے لوگوں نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کی ہے۔“

اس (دسویں) سوال میں بھی ابہام اور نقص ہے جس کا مقصد جواب دینے والے کو بھگنے کا راستہ دینا اور بات پھٹنے کا موقع مہیا کرنا ہے اور حج واجب دینے والے نے بھی مجمل جواب دیا ہے جس کا مطلب مکہ عام سفر بھی لیا جاسکتا ہے یعنی کسی بھی شہر میں سیر و تفریح کے لئے جاتے ہیں۔ اس لئے اس نے کہا: ”ہم میں سے بہت سے لوگوں نے مکہ اور مدینہ کی زیارت کی ہے۔“ یہی باطنیہ اور قرامطہ کا دین ہے۔ ان کا عادت بھی فریب اور تفریح کی ہے جس طرح کہ پہلے بیان ہوا ہے۔

”سوال ۱۱: ”تم لوگ میت کی نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہو؟“

جواب: ”ہم میت کی نماز جنازہ اہل سنت کی طرح شافعی طریقے پر پڑھتے ہیں، آپ کو لمبی چوڑی بحث کی مشقت سے بچانے کے لئے ہم آپ کی خدمت میں یہ کتاب پیش کرتے ہیں جو ”عقل جلیل کے مشائخ“ کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔ وہ ہمارے توحیدی مذہب کا بلند ترین مرجع ہیں۔ اس کتاب سے آپ کو نماز جنازہ کے متعلق ہمارے مذہبی طریقوں، شادی کی دستاویزات تحریر کرنے، وفات کی صورت میں میراث کے احکام و دیگر مسائل کا علم ہوگا۔“ سائل نے اس کتاب کی ورق گردانی کی اور جواب دینے والے کو مخاطب کر کے کہا: ”تم واقعی مسلمان ہو۔“

اس سوال کے جواب میں جھوٹ بھی ہے اور تناقص بھی۔ کیونکہ تیسرے سوال کے جواب میں دروز کے اہل سنت میں سے ہونے کی مطلقاً نفی کرچکا ہے اور یہاں کہہ رہا ہے کہ وہ شافعی مذہب کے مطابق نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ حالانکہ امام شافعی اہل سنت میں سے ہیں پھر ان کی نماز شافعی کے مذہب پر کیسے ہو سکتی ہے؟ پھر اس نے جواب کو واضح کرنے سے بھی گریز کیا ہے اور کسی مبہم کتاب کا حوالہ دے دیا ہے جس کا نام بھی نہیں بتایا، تاکہ لوگ اس

کتاب کو پڑھ کر اس کے دعویٰ کا سچ بھٹوٹ معلوم نہ کر سکیں کہ ان کے ہاں نماز جنازہ و اقامت شافعی مسلک کے مطابق ہے یا نہیں۔ پھر اس نے کہا ہے کہ اسی فرضی سنی عالم نے کتاب کی ورق گردانی کرنے کے بعد کہا: ”تم واقعی مسلمان ہو“ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس قسم کی جعلی گفتگو میں اس قسم کے اعتراف کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ یہ محض دھوکا، فریب اور دروزی مذہب کا جھوٹا پروپیگنڈا ہے۔

اگر دروز کا مذہب واقعی اسلام کے مطابق ہوتا تو وہ اس کا اظہار کرتا اور کتاب کا نام بتاتا کہ حقیقت معلوم کرنے کے لئے اس کی طرف رجوع کیا جاسکے۔ لیکن اسے رسوائی کا خطرہ محسوس ہوا، اس لئے حسب عادت کتاب کی وضاحت نہیں کی۔ اس فرسٹے کی یہی عادت ہے۔ اللہ محفوظ رکھے۔

سوال ۱۲: ”آپ لوگوں کے ہاں ترکہ (میراث) تقسیم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: ”ہمارے ہاں ترکہ کی تقسیم کا طریقہ شرعی فریضہ کے مطابق ہی ہے جب کہ میت نے وصیت نہ چھوڑی ہو۔ البتہ جب اس نے وصیت چھوڑی ہو تو وراثت اس وصیت کے مطابق تقسیم ہوگی۔ کیونکہ ہمارے ہاں وصیت فرض ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ تاکہ آیت مبارکہ

(يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِي لَهُ كَرْمٌ مِّثْلُ مَا لِلنِّسَاءِ ۚ) (النساء: ۱۱)

”اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے متعلق وصیت کرتا ہے، مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے اور اس آیت پر عمل کرتے ہوئے کہ بعد وصیت یوصی بجا آوردین وصیت جو کی گئی ہو اس کے بعد اور قرض کے بعد۔“

سوال ۱۳: ”آپ کے ہاں وصیت کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: ”وصیت کا طریقہ ہے کہ انسان کو اپنے مال میں جس کے لئے چاہے وصیت کرنے کا پورا پورا حق ہے خواہ کوئی رشتہ دار ہو یا نہ ہو۔“

سوال ۱۴: ”اہل سنت لے مذہب میں تو وراثت کے لئے وصیت کرنا منع ہے، پھر آپ کیوں وراثت کے وصیت کرتے ہیں۔“

جواب: ”ہم وراثت کے لئے وصیت کر کے اس آیت مبارکہ پر عمل کرتے ہیں

(كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرِينَ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ) (البقرہ ۲: ۱۸۰)

”جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو اگر اس نے مال چھوڑا ہے تو (اس پر) والدین اور اقارب کے لئے وصیت کرنا فرض کر دیا گیا ہے۔“

اس آیت شریفہ سے واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ وصیت وراثت اور غیر وراثت سب کے لئے جائز ہے اور ہم اسی طریقہ پر عمل پیرا ہیں۔

دروزی نے ان تین سوالوں کے جواب میں کہا ہے کہ ان کے ہاں وصیت شرعی فریضہ کے مطابق ہے لیکن اس کی تعین کسی وراثت یا غیر وراثت کے لئے سارے مال کی وصیت کر کے جائے تو ترکہ کی تقسیم میں وصیت کا اعتبار کیا جائے گا (شرعی اصولوں کا نہیں) حالانکہ شریعت نے اس کے برعکس صاف الفاظ میں یہ حکم دیا ہے کہ وراثت کے لئے وصیت جائز نہیں اور اس مسئلہ پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سوال کے جواب میں اس نے جھوٹ بولا ہے کہ دروز کا دین اسلام ہے۔

آیت مبارکہ: (يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ...) اور اس کے بعد والی آیت میں میراث کے شرعی طور پر مقرر حصوں کا بیان ہے اور مختلف وراثوں کے حصے تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں اور اس آیت میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ اللہ کی اس مقررہ حد سے تجاوز نہ کیا جائے جو اللہ نے ہر وراثت کے لئے مقرر کر دی ہے۔ لہذا ہمارے لئے یہ اختیار باقی نہیں چھوڑا گیا کہ مذکورہ دو آیتوں کے مذکور وراثوں کے متعلق وصیت کریں، نہ ہر وراثت کے لئے مقرر حصہ میں ہمیں اختیار دیا گیا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے وراثوں کی تقسیم بیان کی ہیں اور ہر قسم کے وراثت کا حصہ بیان کر دیا ہے اور ہمارے لئے اس پر عمل کرنا لازمی قرار دیا ہے۔ اللہ عزوجل نے ان آیات میں یہ بھی بتایا ہے کہ ترکہ وراثوں میں تقسیم کرنے سے پہلے میت کے ذمہ جو قرض ہے، وہ ادا کیا جائے گا اور ایک تہائی مال کی حد تک اس نے غیر وراثت افراد کے لئے جو وصیت کی ہے اس پر عمل کیا جائے۔ جس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمادی ہے۔ لہذا دروزی نے ان دو آیتوں سے استدلال کرنے میں لہمال اور تلمیس سے کام لیا ہے اور ترکہ کی تقسیم میں وصیت سے جو مراد ہے اس کی غلط تشریح کی ہے اور تقسیم سے قبل تقسیم کے معاملے کو ابجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے سنت نبوی سے بالکل اعراض کیا ہے جس سے قرآن مجید میں موجود وصیت کا مطلق حکم مقید ہوجاتا ہے حالانکہ اس کا لحاظ کرنا ضروری تھا اور اس مسئلہ میں اس نے مسلمانوں کے اجماع کی طرف بالکل توجہ نہیں کی اور غلط استدلال کرنے والے یوں ہی کیا کرتے ہیں کہ کلام کو مجمل رکھتے ہیں اور مخاطب کو شبہ میں ڈال کر باطل کو حق کے رنگ میں پیش کر کے دھوکا دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ کج روی کا طریقہ اپناتے اور قرآن کے الفاظ کو صحیح معانی سے ہٹا کر خود ساختہ غلط مضموم کی طرف لے جاتے ہیں۔ اسی طرح قوی اور عملی طور پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی مخالفت کرتے ہیں اور صحابہ کرام و ائمہ دین کے اجماع کی مخالفت کر کے اپنے دل کی خواہش پوری کرتے اور اپنے پیسوں کی تائید کرتے ہیں۔

سوال ۱۵: ”کیا تم لوگ بیک وقت ایک سے زیادہ عورتیں نکاح میں رکھتے ہو؟

جواب: ”ہرگز نہیں، ہمارے مذہب میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز نہیں، کیونکہ قرآن مجید کی آیت ہے

(وَلَا تَجْعَلُوا أَوْلَادًا) (النساء)

”اور ہم نے تمہیں جوڑے جوڑے پیدا کیا۔“

اور:

(وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ) (الذاریات ۵: ۳۹)

”ہم نے ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا۔“

اور:

(فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقَدِّمُوا (النساء ۳)

”اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ انصاف نہیں کر سکو گے تو ایک سے (نکاح کرو۔“

اور:

(وَلَنْ تَقْدِرُوا عَلَى الْفَسَادِ وَأَنْ خِفْتُمْ)

”اور تم عورتوں میں کبھی انصاف نہیں کر سکو گے اگرچہ تم (انصاف ک) حرص کرو۔“

”چونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ دو عورتوں میں عدل ممکن نہیں اس لئے صاحب شریعت نے ہم پر ایک کے ساتھ رہنا واجب کر دیا ہے۔“

دروزی نے سوال (۱۵) کے جواب میں اس چیز کا انکار کیا ہے جس کا دین میں وجود یہی ہے۔ یعنی ایک سے زیادہ بیویوں کا جواز اور اپنے باطل موقف پر ان چیزوں سے دلیل لانے کی کوشش کی ہے جس سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس نے ارشاد ربانی تعالیٰ: وَخَلَقْنَاهُمْ أَزْوَاجًا اور ارشاد ربانی تعالیٰ: وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ سے استدلال کیا ہے۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اشیاء کی تخلیق میں اپنی جنوبی سنت کو بیان کیا ہے کہ اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ جانداروں کی ہر نوع کو۔ خواہ وہ حیوانات ہوں یا نباتات، مذکر اور مؤنث پیدا کیا ہے۔ ہر ایک میں دو مقابل انواع پیدا کی ہیں تاکہ ان کے ملاپ سے نسل قائم رہے اور زندہ مخلوقات باقی رہیں اور مختلف فوائد حاصل ہوں۔ ان آیات کا تعدد ازدواج سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ لہذا ان سے متعدد بیویوں کے ممنوع ہونے پر استدلال کرنا تحریف اور قرآن کے الفاظ کو من مانا مضموم جینے کے مترادف ہے۔ باقی رہی آیت کریمہ:

”فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقَدِّمُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (النساء ۴)“ پس اگر تمہیں خطر ہو کہ انصاف نہیں کر سکو گے تو ایک سے (نکاح کرو) یا جو (لوہڈیاں) تمہاری ملکیت ہیں (ان سے جائز تعلق قائم کرو۔

اس آیت کا ابتدائی حصہ صاف طور پر ایک سے زیادہ بیویاں جائز ہونے کی دلیل ہے جب کہ ان کے ساتھ رہنے سہنے، سلوک اور خرچ وغیرہ میں ظلم ہو جانے کا خطرہ نہ ہو اور یہ چیز ممکن ہے اور مرد کے بس میں ہے۔ باقی رہا فرمان الہی:

(وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَقْدِمُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ خِفْتُمْ فَلَا تَحْزَنُوا كُلُّ التَّنْبِيلِ فَتَزْوَاجًا تَعْلَفُونَ (النساء ۴ ۱۶۹)

”اور تم ہرگز عورتوں کے درمیان انصاف نہیں کر سکو گے، اگرچہ اس کی حرص کرو، تو (ایک عورت کی طرف سے) بالکل ہی کنارہ کش نہ ہو جاؤ کہ اسے اس طرح چھوڑ دو جس طرح (درمیان میں) لنگی ہوئی (ہوتی ہے)۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ دل کی محبت اور قلبی میلان میں عدل ممکن نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کے ساتھ بردباری کے مطابق وقت گزارنے اور اخراجات مہیا کرنے میں عدل نہیں ہو سکتا۔ اس نیکی و وضاحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات سے بھی فرمائی ہے اور عمل سے بھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد خواتین سے نکاح کیا اور ان کے درمیان سبب سن اور اخراجات وغیرہ کے امور میں پوری طرح انصاف فرمایا۔ ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا: ”اے اللہ! جو کچھ میرے بس میں ہے اس میں تو میں نے یہ تقسیم کر دی ہے اور جو چیز تیرے قبضے میں ہے، میرے قبضے میں نہیں، اس میں مجھے ملامت نہ فرمانا۔“

متعدد بیویاں کرنے کے جواز پر صحابہ کا اجماع ہے اور انہوں نے اس پر عمل بھی کیا، حالانکہ قرآن مجید ان کی زبانوں میں نازل ہوا تھا اور وہ لوگ اس دروزی اور اس جیسے دوسرے خواہش پرستوں سے زیادہ قرآن مجید کو سمجھتے تھے۔ جبکہ یہ تو نصاریٰ اور ملحدین کے ہم قدم ظلم کی کوشش کرتے ہیں اور بڑے عم خوش صفت نازک کو راضی رکھنا چاہتے ہیں۔

دروزی نے جو قحی آیت کے الفاظ میں تحریف کی ہے۔ صحیح آیت اس طرح ہیں:

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَقْدِمُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ خِفْتُمْ اس نے آیت میں اپنے پاس سے الفاظ شامل کر دئے ہیں۔

”سوال ۱۶: ”کیا تمہارے نزدیک اطلاق جائز ہے۔“

جواب: ”ہاں جائز اسباب کی بنا پر طلاق جائز ہے۔ البتہ جو شخص کسی جائز سبب کے بغیر یا مطلقہ کی رضامندی کے بغیر طلاق دیتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی تمام املاک اور مال و دولت کا نصف پیش کرے۔ لیکن اگر طلاق عورت کے کسی جرم کی وجہ سے ہوئی ہے تو پھر عورت اپنی آدھی جائیداد اور دولت مرد کو ادا کرے گی۔“

اس سوال کے جواب میں دروزی نے طلاق کو جائز تسلیم کیا ہے لیکن جائز اسلوب کی شرط لگائی ہے۔ لیکن چونکہ دروزکا اصول ہے کہ تفسیر پر عمل کرتے ہوئے اپنے مذہب کی اصل حقیقت کو پوشیدہ رکھا جائے اور مخالفین سے بات کرتے ہوئے وہ اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے وہ اسی اصول پر عمل کرتے ہیں، اس لئے یہاں بھی اس نے ان ”جائز اسباب“ کی وضاحت نہیں کی۔ پھر اس پر ایک اور گل کھلایا ہے کہ اپنے دل سے شریعت سازی کرتے ہوئے خاوند کو محک دے دیا کہ اگر اس نے باہمی رضامندی کے بغیر جائز سبب کے بغیر طلاق دی تو بیوی کو آدھی جائیداد دے اور عورت پر بھی یہ واجب کر دیا ہے کہ اس کی کسی غلطی کی وجہ سے طلاق ہو تو وہ اپنی آدھی جائیداد خاوند کو دے۔ اسلام میں طلاق کے موقع پر خاوند اور بیوی کے جو حقوق رکھتے ہیں، یہ قانون کی صریح خلاف ورزی کرتا ہے اور اس طرح اس بات کی تردید کرتا ہے جو پہلے سوال کے جواب میں کہی گئی کہ ”ہمارا دین اسلام ہے۔“

سوال ۱۷: ”سنا ہے کہ آپ ستاح کا عقیدہ رکھتے ہیں؟ آپ کے اس عقیدہ کی بنیاد کیا ہے؟“

جواب: ”ہاں ہم ستاح کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس عقیدہ کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ ایک نقلی دلیل اور ایک عقلی دلیل۔ نقلی دلیل تو یہ آیت کریمہ ہے:

”تم اللہ کے ساتھ کس طرح کفر کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے تو اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر وہ تم کو موت دے گا، پھر وہ تم کو زندہ کرے گا، پھر تم اس کی طرف لوٹانے جاؤ گے۔“

اس آیت کریمہ اور بعض دوسری آیات کی تفسیر ہم اس عقیدہ کے مطابق کرتے ہیں۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوق کے درمیان عدل کرنے والا ہے، پھر اس نے ان کے درمیان امیر، غریب، خوش قسمت، بد نصیب، خوبصورت اور بد صورت کا اتنا فرق کیوں رکھا؟ جب کہ لوگ اس دنیا میں نئے پیدائے جاتے ہیں، تو اس عظیم فرق کو دیکھتے ہوئے اور اس پختہ ایمان کی بنیاد پر کہ اللہ تعالیٰ انتہائی عادل ہے اور مذکورہ بالا آیت کی وجہ سے ہم ”نقص (سناخ) کا عقیدہ رکھتے ہیں۔“

دروزی نے سوال (۱۷) کے جواب میں دروزی نقطہ نظر کے مطابق نقص (سناخ = اوگون) کے عقلی اور نقلی دلائل ذکر کئے ہیں۔ پہلے مکالمہ کے چوتھے پیرا گراف میں نقص یحضور کی وصیت اور ان کے نقلی دلائل پر بحث چھکی ہے اور وہاں بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ تصور محض وہم گمان پر مبنی ہے۔ کیونکہ موت کے بعد زندگی قیامت کے دن کی جزا و سزا، اسکی نوعیت و کیفیت، یہ سب کے سب وحی کے ذریعے ہی معلوم ہو سکتے ہیں۔ ان کی تعیین میں عقل کا کوئی دخل نہیں۔ انہوں نے جو عقلی دلیل پیش کی ہے کہ اللہ کا عدل اور حکمت کامل ہے اور مخلوق کے کردار، اخلاق، اعمال اور روزی میں فرق ہے اور اس کے عدل کا تقاضا یہ ہے کہ ہر جان کو اس کے اعمال کا بدلہ دینے کے لئے دوبارہ دنیا میں پیدا کرے تاکہ ہر جان کو اس کا بدلہ مل جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مرنے والے کیر و وح کسی اور بدن میں ڈال کر دنیا میں بھیجتا ہے تاکہ اس وجود میں اسے اسکی سزا مل جائے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا دلائل میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مرنے کے بعد روح کسی اور جسم میں داخل ہو جاتی ہے، بلکہ یہ صرف ظن و تخمین ہے۔ اس جزا و سزا کی صحیح تفصیل اور کیفیت قرآن و حدیث کی نصوص میں موجود ہے۔ کہ یہ جزا اور سزا اس دنیا کے خلتے کے بعد ایک اور دن میں ملے گی جس کا نام حشر (قبروں سے اٹھ کر جمع ہونے) اور قیامت (موت سے اٹھنے) کا دن ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اس کے کسی خاص عمل کا بدلہ دنیا میں جیسے چاہتے ہیں دے دیتے ہیں، لیکن اس طرح نہیں جس طرح دروزیوں نے سناخ کے عقیدہ میں متعین کر دیا۔

”سوال ۱۸: ”کیا آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا حق علی سے زیادہ عمر، ابو بکر اور عثمان کا تھا یا علی کا حق ان سے زیادہ تھا؟“

جواب: ”یہ چیز تو اللہ ہی جانتا ہے۔ لیکن یہ عقیدہ ہے کہ عمر میں متعین ہیں جس طرح آیت میں مذکور ہے

(وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ النَّبِيَّ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُ) (المنافقون ۶۳ ۱۱)

”اللہ کسی جان کو مؤخر نہیں کرتا جب اس کا مقرر وقت آجائے۔“

چونکہ ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما علی رضی اللہ عنہما کی زندگی میں فوت ہوئے ہیں اس لئے اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علی خلیفہ بن جاتے تو ابو بکر، عمر اور عثمان ان کی زندگی میں فوت ہو جاتے اور اس طرح کہ ”امت سے متعلق اپنا کردار ادا نہ کر سکتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی مشیت کا تقاضا یہ تھا کہ (ان میں سے) ہر ایک اپنے اپنے وقت میں امت کی خدمت کا فرض ادا کرے اور یہ سب اللہ کی تقدیر کے مطابق تھا۔“

دروزی نے سوال (۱۸) کا جواب دینے سے پہلوتھی کی ہے اور ”اللہ اعلم“ کہہ کر تنقید کر لیا ہے جس طرح اس کی اور اس کی قوم کی یہ عادت ہے کہ غیروں سے اپنے مذہب کی حقیقت چھپا لیتے ہیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافت خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے بعد ہونے کا ایک خود ساختہ فلسفہ بیان کر دیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ کو معلوم تھا کہ تینوں علی سے پہلے فوت ہو جائیں گے اس لئے ان کی خلافت علی سے پہلے کر دی تاکہ ہر کوئی امت کی خدمت میں اپنا کردار ادا کر سکے، اس لئے اللہ کی مشیت یہ ہوئی کہ خلافت اس معروف ترتیب سے واقع ہو۔ اس فلسفہ میں اصل سوال کے جواب سے گریز کیا گیا ہے۔ سوال تو شرعی حکم کا تھا اس نے واقعاتی ترتیب کی حکمت بیان کر دی۔ اس کے باوجود اس کا یہ جواب اس عقیدہ کے خلاف ہے جو وہ خلفائے ثلاثہ کے متعلق رکھتے ہیں کیونکہ وہ تو اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتے ہیں اور علی کو معبود ملتے ہیں۔ لہذا یہ پورے کا پورا جواب تنقید کا عملی نمونہ اور ہیرا پھیری پر مشتمل ہے اور اس کے بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا حضرت علی رضی اللہ عنہما سے پہلے خلیفہ بننا ان کی فضیلت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اللہ کی مرضی کے مطابق ایک تنکوینی معاملہ تھا اور یہ تصور اس عقیدہ کے برعکس ہے جس پر اہل سنت کا اجماع ہے۔

”سوال ۱۹: ”کیا تم لوگ ابو بکر، عمر، عثمان اور علی کو ان کی خلافت کی ترتیب سے افضل ملتے ہو؟“

جواب: ”ہاں! لیکن اس کے باوجود ہم انہیں درجہ میں کسی سے افضل نہیں کہتے بلکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ علی ان سے اعلیٰ ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں خطبہ کے دن فرمایا تھا

(.....مَنْ كُنْتُ اَنَا مَوْلَاَهُ فَلْيُتَبِعْ مَوْلَاَهُ، اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَاَلَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ)

”جس کا میں مولیٰ ہوں، اس کا علی بھی مولیٰ ہے۔ یا اللہ! جو اس سے دوستی رکھے تو اس سے دوستی رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے، تو اس سے دشمنی رکھ۔“

دروزی کے اس سوال (۱۹) کے جواب میں تناقض پایا جاتا ہے اور تینوں خلفائے راشدین جناب ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی فضیلت کا انکار بھی ہے۔ پہلے اس نے کہا: ”ہاں! یعنی ہم خلفائے اربعہ کو ان کی خلافت کی ترتیب سے افضل ملتے ہیں۔“ پھر کہا: ”ہم انہیں درجہ میں کسی سے افضل نہیں سمجھتے۔“ اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ وہ انہیں کائنات میں کسی ایک سے بھی لدھا نہیں سمجھتے۔ پھر اس نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ ان سب سے حالانکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہما نے حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے آپ سے افضل فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ امت کا اجماع ہے کہ جناب ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہ (f) افضل ہیں : عنہما جناب حضرت علی رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں۔ اور اکثر علماء کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہما بھی ان سے افضل ہیں۔ علی رضی اللہ عنہما کی فضیلت کی دلیل کے طور پر یہ حدیث ذکر کی گئی ہے

(.....مَنْ كُنْتُ اَنَا مَوْلَاَهُ فَلْيُتَبِعْ مَوْلَاَهُ، اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَاَلَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ)

”جس کا میں مولیٰ ہوں، اس کا علی بھی مولیٰ ہے۔ یا اللہ! جو اس سے دوستی رکھے تو اس سے دوستی رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے، تو اس سے دشمنی رکھ۔“

اس حدیث کے متعلق شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ فرمایا

یہ روایت کہ جس کا میں مولیٰ ہوں، علی بھی اس کا مولیٰ ہے، حدیث کی بنیادی کتابوں میں سے ترمذی کے سوا کسی میں نہیں ہے۔ وہاں بھی صرف اتنا ہی جملہ مروی ہے

(مَنْ كُنْتُ أَنَا مَوْلَاهُ فَلْيُ مَوْلَاهُ)

”جس کا میں مولیٰ ہوں، اس کا علی بھی مولیٰ ہے۔“ اگلا جملہ ”یا اللہ جو اس سے دوستی رکھے تو اس سے دوستی رکھ۔۔۔ الخ“

”وہ حدیث میں نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ سے اس جملہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ”یہ کوئی اضافہ ہے۔“

یہ جملہ کئی لحاظ سے محسوس ثابت ہوتا ہے۔ جن میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ حق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی فرد معین کے ساتھ لازم و ملزوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر ہر بات میں اس کی اتباع بھی فرض ہوتی۔ (اور ہر بات صرف نبی کی ماننا فرض ہوتی ہے) اور یہ بات ہر کسی کو معلوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہما سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہما بلکہ خود ان کے متبعین کا کئی مسائل میں اختلاف ہوا، جن میں نص فریق ثانی کی موافقت میں دستیاب ہوئی۔ مثلاً اس عورت کا مسہ جس کا خاندان فوت ہو جائے جب کہ یہ عورت امید سے ہو۔

اور یہ جملہ

(اللَّهُمَّ انْفِرْ مِنْ نَفْرَةٍ)

”اے اللہ! جو اس کی مدد کرے تو اس کی مدد کر۔“

واقعات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ صفین میں آپ کی حمایت میں جو لوگ آپ کے ساتھ مل کر لڑے انہیں فتح حاصل نہیں ہوئی اور کچھ لوگ آپ کی حمایت میں نہیں لڑے لیکن وہ (دوسرے موقعوں پر) فتح سے محروم نہیں رہے مثلاً سعد رضی اللہ عنہما جنہوں نے عراق فتح کیا، آپ کی حمایت میں نہیں لڑے تھے۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے حامی اور بنو امیہ جو خود حضرت علی رضی اللہ عنہما کے خلاف لڑتے رہے، انہوں نے کافروں کے بہت سے علاقے فتح کئے اور اللہ نے ان کی مدد فرمائی۔

اسی طرح جملہ

(اللَّهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ)

”اے اللہ! جو سے دوستی رکھے تو اس سے دوسرے رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ۔“

یہ اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے۔ قرآن مجید نے بیان کیا ہے سب مومن بھائی بھائی ہیں حالانکہ وہ آپس میں لڑے بھی ہیں، ایک دوسرے پر زیادتی بھی کرتے ہیں اور باقی رہا یہ جملہ

(مَنْ كُنْتُ أَنَا مَوْلَاهُ فَلْيُ مَوْلَاهُ)

”جس کا میں مولیٰ ہوں، اس کا علی بھی مولیٰ ہے۔“

بعض محدثین نے تو اسے ضعیف قرار دیا ہے مثلاً امام بخاری وغیرہ نے اور بعض نے حسن کہا ہے۔ پس اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ فرمایا بھی ہے تو اس سے مراد ایسی دوستی نہیں ہوتی ہے اور ”مولاہ“ (دوستی) کا لفظ ”معاواہ“ (دشمنی) کے مقابلے میں بولا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر مسلموں کے خلاف مومنوں سے دوستی رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس سے ناصبیوں کی تردید ہوتی ہے۔ ”یہاں تک ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کلام ہے۔“

”سوال ۲۰:“ اس گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کے ہر عقیدہ کی بنیاد کسی آیت یا حدیث شریف پر ہے۔“

”جواب:“ ہم رائے اور قیاس پر عمل نہیں کرتے، بلکہ جس چیز کا ہمیں حکم دیا جاتا ہے اسی پر عمل کرتے ہیں

اس سوال اور جواب میں مذکور اعتراف کہ دروز کے ہر عقیدہ کی بنیاد کسی نہ کسی آیت یا حدیث پر ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ کیونکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ساری گفتگو جعلی ہے اور اگر اسے حقیقی بھی فرض کر لیا جائے تو مسلمانوں کا ہر منظر اہل سنت کی نمائندگی نہیں کرتا اور دروزی کا یہ دعویٰ کہ دروز رائے اور قیاس پر عمل نہیں کرتے، حقائق اس کو جھٹلاتے ہیں کیونکہ ان کے عقیدہ میں الحاد اور عمل میں خواہش نفس کو دخل ہے اور اس جواب میں ہیرا پھیری اور تفتیش بھی ہے۔ اس نے کہا ہے: ”ہمیں جس چیز کا حکم ملتا ہے ہم وہی کرتے ہیں“ اس میں فعل مجہول کے صیغہ سے بات کی گئی ہے تاکہ یہ واضح نہ ہو سکے کہ حکم کس کی طرف سے ملتا ہے۔ کیا وہ حاکم بامرہ اور دوسرے (بقول ان کے) معصوم ائمہ کی طرف سے ہوتا ہے یا کسی اور کی طرف سے؟ اور اس میں تعجب نہیں کہ تفتیش ان کا امتیازی نشان ہے، اس پر عمل کرنے میں کسر نہیں چھوڑتے۔

وَاللّٰهُ الشَّوْفِيُّ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ

الجبۃ الدائمۃ - رکن : عبداللہ بن قعود، عبداللہ بن غدیان، نائب صدر : عبدالرزاق عسفی، صدر عبدالعزیز بن باز

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

فتاویٰ ابن باز رحمہ اللہ

